روزنامہ راشٹریہ سہارا
9/جون 2024 اتوار
امنگ

> دھیرے دھیرے رونق کی ذمہ داریوں اور عمر کے اس فرق نے رنگ دکھانا شروع کردیا۔ دلوں میں رفاقتیں قائم رہیں مگر نظروں کے فاصلے بڑھنے لگے۔ جب بیٹا جوان ہوتا ہے تو ماں کی ساکھ بھی مضبوط ہو جاتی ہے۔ بیٹے کی جوانی باپ کے بڑھاپے پر حاوی ہوتی گئی اور بیوی کی پکڑ مضبوط سے مضبوط ہو گئی۔ تیزی سے بدلتے حالات دیکھ کروہ سمجھ گئی تھی کہ بھار کا موسم رخصت ہو چکا ہے۔

جب زرد ہو موسم اندر کا

رینو بہل

نیلے آسمان پر رقص کرتے زرد اور سرخ رنگ نے سورج کے ڈوبنے کی چغلی کر دی تھی۔ دور افق پر سورج کو دھیرے دھیرے سمندر میں ڈوبتے دیکھ اس کی بے چینی اور بڑھ گئی۔ سورج کے ڈوبتے ہی رقص کرتے سنہرے رنگوں کو شام کی سرمئی سیاہی نے اپنی آغوش میں چھپا لیا۔ تیز لہریں اٹھ کر آتیں، اس کے ننگے پاؤں سے لپٹ جاتیں اور اس کے پاؤں ریت میں اور گہرے دھنس جاتے۔ اس نے پاؤں نکالنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ وہ تو چاہتی تھی کہ دھیرے دھیرے اس کا وجود ریت میں پوری طرح دھنس جائے، سمندر اسے نگل جائے۔ رات کی سیاہی میں اس کا وجود بھی معدوم ہو جائے۔ اس کا آفتاب بھی غروب ہو چکا تھا جس کے دم سے اس کی زندگی میں رنگ تھے، بہار تھی، رونق تھی۔ تمام عمر اس نے پرچھائیں کے پیچھے بھاگتے گزاری۔ پھر بھی وہ مطمئن تھی اور آج اس کا یہ بھرم بھی ٹوٹ گیا۔ میگھنا کی دھیمی آواز میں کہی گئی وہ لمبی گہری باتیں اس کے اندر خنجر کی طرح اتریں اور اس کے وجود کو نوچ کھروچ کر ریزہ ریزہ بکھیر گئیں۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ میگھنا نے جو کچھ کہا وہ حسد تھا، انتقام تھا یا حقیقت جس سے وہ اب تک نا آشنا تھی۔

محبت کسی رسم و رواج کی محتاج نہیں ہوتی۔ اس کی بنیاد یقین، اعتبار، اعتماد پر ٹکی ہوتی ہے جسے قائم کرنے میں عرصہ گزر جاتا ہے۔ انو رادھا نے بھی رونق پر آنکھ بند کر کے اعتبار نہیں کیا تھا۔ رونق کو کئی سال لگ گئے تھے اس کے دل میں مستقل گھر بنانے میں۔ یہ بھی سچ ہے کہ پیار اندھا ہوتا ہے۔ نہ یہ ذات دیکھتا ہے، نہ مذہب، نہ عمر۔ بہکنے کی عمر میں کوئی انو رادھا کو بہکا نہ سکا اور سنبھلنے کی عمر میں اس کے قدم لڑکھڑا گئے۔ دوستی کی آڑ میں تیزی سے بدلتے جذبات کو روکے رکھنے کی اس نے لاکھ کوشش کی مگر جذبات کا سیلاب کبھی کبھی مضبوط بنیاد کو بھی ہلا دیتا ہے۔ محبت کا طوفان بھی اسے اپنے ساتھ بہا لے گیا۔ اس کا وجود ڈوبنے سے نہ بچ سکا۔ دل کی دھڑکنیں کیا تیز ہوئیں، دماغ کے سوچنے کی رفتار کم ہو گئی۔ محبت کے تیز جھونکے نے دل کے دریچے کھول دیے اور عقل کے سب دروازے بند ہو گئے۔ محبت کی خوشبوں میں اس کا وجود مہک اٹھا۔ انجام کی فکر کیے بغیر وہ اس آگ میں کود گئی۔ اس وقت اسے پندرہ سال عمر کا فرق بھی نظر نہ آیا۔ یہ بھی نظر نہیں آیا کہ وہ کسی اور سے منسوب ہے۔ اس کا اپنا ایک نشیمن ہے جس میں دو معصوم بچے بھی ہیں اور جس کے دروازے اس پر ہمیشہ بند رہیں گے۔

رونق نے اس سے کبھی کچھ چھپایا نہیں اور نہ ہی عمر بھر ساتھ نبھانے کے لیے زور زبردستی کی۔ رونق کی بے پناہ محبت نے اسے کبھی کسی اور کی طرف دیکھنے کی ضرورت ہی نہیں محسوس ہونے دی۔ اس نے رونق سے صرف محبت اور وفاداری کا تقاضہ کیا، جس کا اس نے حق ادا کیا۔ اس نے بھی اپنی آدھی ادھوری، تشنہ، مضطرب زندگی کو اپنا مقدر سمجھ کر قبول کر لیا۔ جب وہ رونق کو ہنسی ہنسی میں کہتی تھی کہ 'بن پھیرے ہم تیرے' تو اس کی بات نشتر کی طرح رونق کو چبھتی تھی۔ اس نے کئی بار اس سے کہا، 'انو تمہاری خاطر میں سب کو چھوڑ سکتا ہوں... تم بس ایک بار ہاں کہہ دو۔'

اور ہر بار اس کا ایک ہی جواب ہوتا، 'کسی کا نشیمن جلا کر میں اپنا آشیانہ نہیں بنا سکتی... باپ کے ہوتے بچوں کو کیسے یتیم کر دوں؟'

'اور تمہاری زندگی؟' وہ تڑپ کر پوچھتا۔

'مجھے مانگے کے رشتوں سے گزارا کرنا آتا ہے۔' وہ مسکرا کر جواب دیتی۔ ایک عورت کی زندگی میں باپ، بھائی شوہر اور پھر بیٹا یہ سب مرد اہم کردار نبھاتے ہیں اور اس کی زندگی میں باپ کے علاوہ سب رشتے تو ادھار کے تھے۔

وہ اسے اکثر کہتا، 'میں تمہیں مکمل عورت بننے کا حق دینا چاہتا ہوں... تم شادی کے لیے ہاں کر دو۔'

'تمہاری اولاد میری بھی تو اولاد ہے۔'

'بالکل نہیں... وہ میگھنا کی اولاد ہے، تمہاری نہیں۔'

'تم تو میرے ہونا؟'

'سر سے پیر تک تمہارا۔ صرف تمہارا... یہ جنم کیا اگلے جتنے جنم سب تمہارے نام۔'

'ایک شرط پر اگلے جنم کا وعدہ کروں گی۔'

'وہ کیا؟'

'مجھے تم مکمل چاہیے، آدھے ادھورے نہیں۔'

وہ کھینچ کر اسے سینے سے لگا لیتا۔

دل کی گہرائیوں سے رونق کو اس نے چاہا تو اس کے بدلے میں بے پناہ محبت سے رونق نے اس کی زندگی میں رنگ بھر دیے۔ اسے زندگی سے کوئی شکایت نہ تھی۔ کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی سب کچھ تھا اس کے پاس۔

پھر دھیرے دھیرے رونق کی ذمہ داریوں اور عمر کے اس فرق نے رنگ دکھانا شروع کر دیا۔ دلوں میں رفاقتیں قائم رہیں مگر نظروں کے فاصلے بڑھنے لگے۔ جب بیٹا جوان ہوتا ہے تو ماں کی ساکھ بھی مضبوط ہو جاتی ہے۔ بیٹے کی جوانی باپ کے بڑھاپے پر حاوی ہوتی گئی اور بیوی کی پکڑ مضبوط سے مضبوط ہو گئی۔ تیزی سے بدلتے حالات دیکھ کر وہ سمجھ گئی تھی کہ بہار کا موسم رخصت ہو چکا ہے۔ اب مستقل طور پر خزاں نے اپنے قدم رکھ لیے ہیں۔ زخمی پرندے کی طرح وہ کراہی، چیخی، چلائی، پھڑ پھڑائی بھی۔ پھر وقت نے حالات کے آگے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ اس نے جب بھی گلہ شکوہ کرنے کے لیے منہ کھولنا چاہا تو رونق نے جھنجھلا کر اپنی مجبوریوں کا رونا سنا کر اس کی زبان بند کر دی۔ جب انسان اندر سے ٹوٹ جاتا ہے تو خاموشی اس کے وجود سے لپٹ جاتی ہے۔ اسے بھی چپ سی لگ گئی تھی۔ جو اس کی خاموشی پڑھ لیتا تھا، اب وہ زبان سے کہی بات بھی سمجھ کر نا سمجھ بن گیا۔ شکوے شکایت لڑائی جھگڑے انسان اسی سے کرتا ہے جس پر وہ اپنا حق سمجھتا ہے جس سے کوئی توقع ہوتی ہے۔ دھیرے دھیرے شکوے شکایت کی رسم بھی ختم ہو گئی۔ خاموشیاں بڑھنے لگیں تو رشتوں کی گرماہٹ کی جگہ سرد مہری نے لے لی۔ فاصلے بڑھتے گئے۔ وہ اس موڑ پر تنہا کھڑی اس کے لوٹنے کا انتظار کرنے لگی اور وہ اپنی گھر گرہستی میں ایسا الجھا کہ بھول گیا کہ کوئی اس کا منتظر ہے۔ گاہے بگاہے وہ اسے آواز دے کر اپنی موجودگی کا احساس دلا دیتا۔ تعلق کی مہین سی ایک ڈور ابھی دونوں میں بندھی تھی۔ اس کے اندر دہکتی آگ دھیرے دھیرے بجھ کر راکھ کا ڈھیر بن چکی تھی۔

پندرہ روز پہلے رونق نے فون پر بتایا تھا کہ کچھ دنوں سے اس کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ سارے ٹیسٹ کروائے ہیں اور جلد ہی دل کی سرجری کرانی ہوگی۔ یہ سن کر وہ تڑپ اٹھی تھی۔

'کب جاؤ گے اسپتال؟'

'ایک دو روز میں ڈاکٹر سرجری کی تاریخ دیں گے۔'

'کس اسپتال سے آپریشن کرانا ہے؟'

'سب تفصیل بتا کر جاؤں گا مگر...'

'مگر کیا؟'

'اسپتال آنے کی ضرورت نہیں۔' اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔

'کیوں؟... کیا میں تمہارا حال پوچھنے نہیں آسکتی؟' اس نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

'میں تمہیں فون کر کے حال بتاتا رہوں گا... تمہیں دیکھ کر خواہ مخواہ وہ اور پریشان ہو جائے گی۔' اس نے جھنجھلا کر کہا۔

'اوہ!... وہ پریشان ہو جائے گی اور میں؟...' نہ چاہتے ہوئے بھی آواز بھر آئی تھی۔

'یہ رو کر اور پریشان مت کرو انو رادھا... سمجھا کرو یار... گھر میں اگر پتھر بھی کئی سالوں سے ایک جگہ پڑا رہے تو اس سے بھی لگاؤ ہو جاتا ہے پھر وہ تو میرے بچوں کی ماں ہے۔'

'میرے بچوں کی ماں۔' اس کے یہ الفاظ تیر کی طرح اسے لگے تھے۔ خاموشی سے اس نے فون بند کر دیا تھا۔ انو سے پھر وہ انو رادھا بن گئی تھی۔

چار پانچ روز بعد رونق نے فون پر بتایا کہ 'آج اسپتال ایڈمٹ ہونے جا رہا ہوں۔ دیکھتے ہیں سرجری کب ہوتی ہے... میں تمہیں واٹس اپ پر بتاتا رہوں گا۔ موقع دیکھ کر فون کروں گا۔ تم فکر مت کرنا۔ اپنا خیال رکھنا۔'

'جلدی سے ٹھیک ہو کر آؤ... میں انتظار کروں گی۔'

'بہت دنوں سے ہم مل نہیں پائے، بہت سی باتیں کرنی ہیں تم سے... اسپتال سے آ کر ملوں گا۔'

'تمہارے ٹھیک ہو کر جلدی لوٹنے کی دعا کروں گی۔ رابطے میں رہنا... تم جانتے ہو مجھے چین نہیں ملے گا۔'

دو دن تو معمول کی طرح صبح بخیر کے میسج آتے رہے۔ پھر تیسرے دن میسج آیا، 'آج آپریشن ہے، نو میسج۔ آپریشن کے بعد I.C.U میں رہوں گا۔ آ کر خود میسج کروں گا۔'

دعاؤں کے سوا اس کے پاس اور کچھ نہ تھا۔ چاہ کر بھی فون کر کے کس سے اس کا حال پوچھتی۔ دل میں ہوک اٹھتی، وہ فون اٹھا لیتی مگر دوسرے ہی پل خود کو روک لیتی۔ اس کے فون اور میسج کا بے قراری سے انتظار کرتی رہی۔ چار دن کشمکش اور انتظار میں گزر گئے۔

پہلی بار اسے اپنی مجبوری، لاچاری کا احساس شدت سے ہوا۔ اڑان بھرنے کو اس کے پاس پر تو تھے مگر پرواز کی اجازت نہیں تھی۔ پنجرے میں قید پرندوں کی طرح پھڑ پھڑاتی رہی۔ پھر نڈھال ہو کر رہائی کے حکم کا انتظار کرنے لگی۔ واٹس اپ پر اسے لاسٹ سین دیکھ کر پتہ چل جاتا کہ وہ آپریشن کے بعد سے I.C.U سے باہر نہیں آیا۔

اس صبح میسج بھیجتے وقت اسے راحت محسوس ہوئی تھی جب اس نے دیکھا کہ لاسٹ سین کا وقت بدل چکا ہے۔ اس کی صحت یابی کی بھیجی دعائیں وہ پڑھ چکا تھا مگر جواب کوئی نہیں آیا تھا۔ اس پل کے بعد اسے فون کا انتظار شروع ہو گیا۔ ایک دن دو دن، تین دن گزر گئے، فون نہیں آیا۔ سارا دن وہ خود کو مختلف کاموں میں مصروف رکھنے کی کوشش کرتی، پھر بھی ذہن اسی کی طرف بھاگتا۔ بے بسی نے اسے چڑچڑا بنا دیا تھا۔ بات بات پر غصہ آنے لگا تھا۔ جی تو چاہتا تھا، ایک بار اس کے گھر فون کر کے پوچھ لے۔ پھر دوسرے ہی پل رونق کی ناراضگی سے ڈر جاتی۔ چوتھے دن دوپہر کے وقت ایک پرانی دوست کا فون آیا۔ حال احوال پوچھنے کے بعد اس نے پوچھا، 'تم نے کچھ سنا؟' **(جاری)**

فراقؔ گورکھپوری

مقبول شاعر
مشہور غزل

وہ چپ چاپ آنسو بہانے کی راتیں
وہ اک شخص کے یاد آنے کی راتیں
شب مہ کی وہ ٹھنڈی آنچیں وہ شبنم
ترے حسن کے رسمسانے کی راتیں
جوانی کی دوشیزگی کا تبسم
گل زار کے وہ کھلانے کی راتیں
پھواریں سی نغموں کی پڑتی ہوں جیسے
کچھ اس لب کے سننے سنانے کی راتیں
مجھے یاد ہے تیری ہر صبح رخصت
مجھے یاد ہیں تیرے آنے کی راتیں
پر اسرار سی میری عرض تمنا
وہ کچھ زیر لب مسکرانے کی راتیں
سر شام سے رتجگا کے وہ ساماں
وہ پچھلے پہر نیند آنے کی راتیں
سر شام سے تا سحر قرب جاناں
نہ جانے وہ تھیں کس زمانے کی راتیں
سر میکدہ تشنگی کی وہ قسمیں
وہ ساقی سے باتیں بنانے کی راتیں
ہم آغوشیاں شاہد مہرباں کی
زمانے کے غم بھول جانے کی راتیں
فراقؔ اپنی قسمت میں شاید نہیں تھے
ٹھکانے کے دن یا ٹھکانے کی راتیں

سہارا تبصرہ

کتاب کا نام : **خطبات جمعہ**
مصنف : **مولانا قاری محمد عرفان قادری**
ملنے کا پتہ : مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن، لکھنؤ
صفحات : 431
ناشر : انجمن فیضان نوری، طلبائے مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن، لکھنؤ
تبصرہ نگار : **ڈاکٹر حمایت حسین جائسی**

زیر نظر تصنیف 'خطبات جمعہ' مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن شاہی مسجد بڑا چاند گنج کے استاد مولانا قاری محمد عرفان قادری کے ان خطبات کا مجموعہ ہے جو وہ شاہی مسجد بڑا چاند گنج میں نماز جمعہ سے قبل دیتے رہے ہیں جس کی وجہ سے مولانا عرفان قادری کو وہ شہرت و عزت نصیب ہوئی جو انہیں کا خاصہ ہے۔ مولانا عرفان نے اپنی تصنیف کو حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری چشتی اجمیریؒ، قطب اودھ حضرت مخدوم شاہ میناؒ اور مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری بریلوی کے نام نامی سے تہدیہ اور جانشین مفتیٔ اعظم ہند حضرت علامہ الشاہ اختر رضا خاں ازہری کے نام سے منسوب کر کے بزرگان دین اور اولیائے کرام سے اپنی محبت و عقیدت کا ثبوت فراہم کیا ہے۔

'خطبات جمعہ' کے آغاز میں صدر القراء پرنسپل مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن قاری ذاکر علی قادری نے دعائیہ کلمات تحریر کیے ہیں جس میں انہوں نے نہ صرف مولانا قاری محمد عرفان قادری کو ان کی اس مثبت کاوش کے لئے دعاؤں سے نوازا ہے بلکہ ان کی گرانقدر خدمات کا اعتراف بھی کیا ہے۔ نیپال کے عالم دین مفتی محمد بشیر احمد نعیمی نے تقریظ جلیل کے عنوان سے اپنی مختصر اور جامع تحریر میں مولانا عرفان قادری کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے خطبات جمعہ کی اہمیت پر مختصراً روشنی ڈالتے ہوئے مولانا عرفان قادری کے اسلوب نگارش، تحریر میں ان کی سادگی اور دل نشینی کے ساتھ ہی موضوعات کی اثر آفرینی کا بھی ذکر کیا ہے جبکہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ کے استاد مولانا نفیس احمد مصباحی نے کلمات تحسین میں تحریر کیا ہے 'موصوف ایک عرصہ سے اخبار و رسائل کے لئے مختلف موضوعات پر مضامین لکھتے رہے ہیں اس لئے لکھنے کا انداز، جملوں کی ترتیب، الفاظ کی بندش چست اور درست ہے، سادگی اور سلاست کے ساتھ زبان و بیان کی دلکشی اور چاشنی بھی اپنی طرف متوجہ کرتی نظر آتی ہے۔ شاہی مسجد میں جمعہ میں تقریر کرنے کی وجہ سے خطابت کا خاصہ تجربہ ہو چکا ہے اور اس کے نشیب و فراز سے اچھی واقفیت ہو چکی ہے جس کا اثر ان کی تیار کردہ ان تقریروں میں صاف جھلکتا اور چمکتا نظر آتا ہے۔' ممتاز الفقہاء حضرت علامہ مفتی محمد حبیب اللہ نعیمی بھی ہدیۂ تبریک میں اپنی دعاؤں سے مصنف کو نوازا ہے۔ محمد احتشام عالم قادری سجادہ نشین خانقاہ عالیہ قادریہ سردار یہ جمال الدین پور ضلع جونپور نے مولانا عرفان قادری کے مضامین کو سنگ میل قرار دیا ہے۔ مضامین سے قبل مصنف نے اپنی مختصر تحریر میں تصنیف کی غرض و غایت پر مختصراً روشنی ڈالی ہے۔

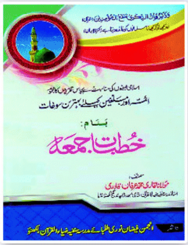
بنام:
خطبات جمعہ
مولانا قاری محمد عرفان قادری
انجمن فیضان نوری طلبائے مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن لکھنؤ

مولانا قاری محمد عرفان قادری کی تصنیف 'خطبات جمعہ' کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے اسلامی مہینوں کے اعتبار سے اپنے مضامین (خطبات) کا انتخاب کیا ہے اور 12 اسلامی مہینوں سے متعلق 50 مضامین کو اس تصنیف میں شامل کیا ہے۔ دوسری سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ انتہائی صاف ستھرے اور پر مغز مضامین کے ذریعہ انہوں نے ہر مہینے کی مناسبت سے اس کی اہمیت اور افادیت پر مبنی مضامین تصنیف میں شامل کئے ہیں۔ مثلاً پہلے اسلامی مہینہ محرم الحرام کے عنوان سے انہوں نے چار مضامین شامل کئے ہیں۔ پہلے جمعہ کو محرم الحرام کے تقاضے، شہداء کی فضیلت اور شہادت امام حسین کی انفرادیت، عظمت اہلبیت اطہار اور فضائل صحابۂ کرام کے عنوان سے اپنے مضامین شامل کئے ہیں جن میں انہوں نے ماہ محرم الحرام اور واقعۂ کربلا کی مناسبت سے جو باتیں پیش کی ہیں وہ یقیناً انتہائی معلوماتی ہیں۔ اسی طرح ہر مہینے میں چار جمعہ آتے ہیں اسی مناسبت سے انہوں نے ہر ماہ کے جمعہ کی نماز سے قبل اپنی تقریر کو الفاظ کے پیکر میں ڈھال کر اپنی تصنیف 'خطبات جمعہ' میں اس طرح پیش کیا ہے کہ قاری کی دلچسپی کسی بھی منزل پر ختم نہیں ہوتی۔ میں نے بھی مولانا کی تصنیف خطبات جمعہ کا مطالعہ کیا۔ حالانکہ پہلے غیر ارادی طور پر ہر مضمون پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے کی کوشش کی لیکن جب مضمون پڑھنے کا آغاز کیا تو پھر اس کو ختم کئے بغیر اسے چھوڑنے کا دل بھی نہ ہوا۔ خطبات جمعہ حالانکہ مولانا عرفان قادری کے خطبات پر مبنی تصنیف ہے لیکن اس کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ ائمہ کرام، طلبہ اور مبلغین کے لئے انتہائی کارآمد دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے جنہیں تقریر کرنے کا شوق ہو یا نماز جمعہ سے قبل خطبہ دینا لازمی ہو تو پھر ہر ماہ کی مناسبت سے انتہائی جامع اور پر مغز تقریر 'خطبات جمعہ' میں موجود ہے۔ دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ تصنیف میں شامل سبھی پچاس مضامین انتہائی صاف ستھرے ہیں جس کا مطالعہ کر کے ہر مکتب فکر کے علماء و طلبہ اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ کتاب کا سرورق انتہائی دلکش، دیدہ زیب اور پر کشش ہے۔ جس طرح سرورق دیدہ زیب اور پر کشش ہے اسی طرح اس تصنیف میں شامل مضامین بھی متاثر کن اور پر کشش ہیں۔ مجھے نہ صرف امید بلکہ یقین کامل ہے کہ مولانا قاری محمد عرفان قادری کی یہ تصنیف 'خطبات جمعہ' کو بغیر کسی تفریق مسلک کے شہرت عام حاصل ہوگی اور یہ ائمہ مساجد، طلبہ و مبلغین کے لئے سنگ میل ثابت ہوگی۔ ■

---

3 غزلیں

آنے والا زوال ہے اپنا
اب تو جینا محال ہے اپنا
کیا بتاؤں میں خیریت اپنی
جو تمہارا وہ حال ہے اپنا
مجھ کو دیتا نہیں جواب کوئی
لب پہ کیسا سوال ہے اپنا
شام آتے ہی سوچتا ہوں میں
دل بھی کتنا نڈھال ہے اپنا
شعر گوئی میں منفرد ہوں میں
یہ بھی اصغرؔ کمال ہے اپنا

اصغرؔ شمیم
c/o Firoz Abid, 12/3/H/1, Patwar Bagan
Lane, Kolkata-700009

قصیدے گیت لکھے گنگنائے ہیں کیا کیا
تمہارے عشق میں فن مجھ کو آئے ہیں کیا کیا
ستم ہے پھر بھی تو میری نہیں ہوئی اب تک
حیات میں نے ترے ناز اٹھائے ہیں کیا کیا
حیا ہے ہوشربا اور ہنسی ہے فتنہ ریز
تری اداؤں نے انداز پائے ہیں کیا کیا
مجھے پتہ ہے اسی سادگی کے پردے میں
مزے حیات کے تو نے اڑائے ہیں کیا کیا
رفاقتوں کا مری جادو تو ذرا دیکھو
تمہاری ذات میں بدلاؤ آئے ہیں کیا کیا

ذکیؔ طارق بارہ بنکوی
Saadatganj, Barabanki
Pin Code-225206

سامنے اس شوخ کی تصویر ہے
اس سے بہتر بھی کوئی شمشیر ہے
قید میں بھی ہے تصور آپ کا
تیرگی میں حسن کی تنویر ہے
خار تھے گلشن میں اپنے پاسباں
اک کلی کیوں آج دامن گیر ہے
اس نے ڈالی بس کرم کی اک نظر
بن گئی بگڑی ہوئی تقدیر ہے
جو کبھی پروینؔ کا غم خوار تھا
اس کا ہر ہر لفظ جلتا تیر ہے

پروینؔ اشرف جہاں
Post:Taliyapur, District Bareilly
Pin Code-243502